کی بنیاد ڈالی۔(تاریخ اسلام/۳۹۳)انہوں نے کشمیر، سندھ اور پنجاب بھی فتح کیے۔ہندوستانی مسلمانوں اور شاہ ولی اللہ کی دعوت پر ہندوستان پر متعدد بار چڑھائی کر کے 1761ء میں پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹوں کو عبرتناک شکست دے کر اپنے ملک واپس لوٹ گیا۔اس کے بعد مرہٹے سنبھالانہیں لے سکے۔احمد شاہ ابدالی کے اس نسل سے آٹھ بادشاہ سریر آرائے سلطنت ہوئے۔اس خاندان کا آخری بادشاہ اور چشم و چراغ شجاع الملک بن تیمور شاہ بن احمد شاہ تھا۔

1826ء/1242ھ درانی خاندان کے آخری بادشاہ شجاع الملک کے بالمقابل دور میں بارکزئی خاندان اٹھ کھڑا ہوا جن کی قیادت دوست محمد خان کرر ہا تھا۔یہ وہ نازک موڑ تھا جس سے افغانستان اور ترکستان کے مسلمان ممالک گزر رہے تھے۔روسی سامراج نے مغربی ترکستان کی آزادی سلب کر کے اپنا تسلط جمالیا تھا۔ادھر ہندوستان اور برصغیر میں انگریز کا تسلط تھا۔اور دونوں بڑی طاقتیں افغانستان جیسے اسلامی ملک کو بندر بانٹ کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔جسے افغان قبائل کے آپس کی خانہ جنگیوں اور کرسئ اقتدار کے لیے دھینگا مشتی نے زریں موقع اور سند جواز فراہم کیا۔

انگریزوں کی عیارانہ چال اور افغانستان کی پہلی جنگ:

1839ء/1255ھ شجاع الملک درانی نے اپنے حریف دوست محمد کے خلاف برطانیہ سے مدد مانگی۔مدد کے بہانے مکار انگریز 1255ھ بمطابق 1839ء میں اس ملک میں پہنچے۔متعدد جنگوں کے بعد کابل پر قابض ہوئے اور شجاع الملک کو تخت پر بٹھا گئے۔(حاضر العالم الاسلامی ۲/۲۳۸)اور دوست محمد خان کو قیدی بنا کر کلکتہ بھیج دیا۔(تاریخ اسلام)

مگر غیور افغانیوں نے ایک بار پھر متحد و متفق ہو کر دوست کے بیٹے اکبر خان کی قیادت میں نہ صرف قابض انگریزی سامراجیوں کو ملک سے نکال دیا بلکہ ان کے 5000 نفوس نے جدید ہتھیاروں سے لیس 17 ہزار یا 20 ہزار برطانوی فوج کو ''کابل خورد،، کے پہاڑی دروں میں جہنم واصل کر دیے۔صرف ایک شخص ڈاکٹر برائیڈن زندہ بچا جو جلال آباد پہنچا اور شاہ برطانیہ کو اس اندوہناک سانحے کی اطلاع دی۔اور پٹھانوں نے جلال آباد اور قندھار کا محاصرہ کیا۔

دوست محمد کی مہاراجہ رنجیت سنگھ، شاہِ بخاری اور شاہ ایران سے بھی جنگیں رہیں۔کبھی ایسا بھی ہوا کہ سندھ کا کنارا رنجیت سنگھ، بلخ شاہ بخاری اور ہرات شاہ ایران نے اینٹھ لیا اور شجاع کو اپنے دشمن مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ہاں پناہ گیر ہونا پڑا۔(تاریخ اسلام/۳۱۵)

1842ء انگریز افغانوں کی مزاحمت سے تنگ آ گئے خصوصاً ان کے منظورِ نظر شجاع الملک کا افغانوں کے ہاتھ 1942 میں قتل ہونے کے بعد دوست محمد خان کو قید سے رہا کر کے ان کے ساتھ صلح کرنی پڑی اور اسے دوبارہ افغانستان کا بادشاہ تسلیم کیا گیا۔

1863ء/1280ھ امیر دوست محمد خان کی وفات ہوئی اور اس کی جگہ اس کا بیٹا امیر شیر علی خان تخت سلطنت پر فائز ہوا۔ امیر شیر علی خاندانی روایات کے مطابق جنگجو، بہادر اور روس و انگریز کو سبق سکھانے والا تھا۔ (جاری ہے)

❋❋❋❋❋❋

علامہ اقبالؒ اور تہذیب مغرب

الیاس جہانگیر

علامہ اقبالؒ ایک نابغہ عصر اور ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ آپؒ بلاشبہ ایک مفکر تعلیم (Educationist) تھے۔ درس وتدریس سے وابستگی بظاہر مختصر رہی۔ سیالکوٹ کی مسجد ومکتب سے لے کر میونخ یونیورسٹی تک بطور متعلم وہ ذاتی تجربات سے گزرے اور بطور معلم وہ اورینٹل کالج لاہور، اسلامیہ کالج لاہور اور لندن یونیورسٹی سے وابستہ رہے۔

علامہؒ نے اپنے اشعار کے ذریعے جوانوں کے دلوں میں اسلام اور دھرتی کی بقا کیلئے جان کی بازی لگانے کی آگ بھر دی، ایسے پیغامات دیے جو مذہب وملک پر کٹ مرنے کا جنون پیدا کردے۔ یہ اقبال ہی ہیں جو گزشتہ صدی کے ابتدائی عشروں سے لے کر لمحہ موجود تک مسلمانانِ عالم کے شاعر ہیں، آپ شاہین بچوں کو جوش وجذبہ سے بھرپور حوصلہ عطا کر گئے۔ یہ احسان عظیم ایک مفکر ہی کرسکتا ہے، جس کے خیالات اتنے عظیم ہوں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کیلئے مسلمانوں کے دلوں میں جو آگ ان کی شاعری نے لگادی تھی بالآخر دونوں دشمنوں کے گریبانوں تک جا پہنچی۔ انہوں نے مسلمانوں کو سرزمین ہندوستان پر شاہینوں سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

سوچنا یہ ہے کہ ہم نے اقبالؒ کے حسین خواب اور پھر اس کی حسین تر تعبیر کی کس قدر تعظیم کی؟ اقبالؒ نے تو ہمیں بہت کچھ دیا، لیکن ہم نے انہیں کیا صلہ لوٹایا؟!

سنو نوجوانو! ہم نے ذاتی مفادات، اونچی کرسیوں کے عشق اور بددلی و پست کرداری کے باعث اقبالؒ کے حسین خواب اور اس کی حسین تعبیر کو دولخت کردیا، ہم نے وطن عزیز کا آدھا حصہ گنوادیا اور باقی ماندہ ملک میں بھی کافرانہ نظامِ حیات نافذ کردیا۔

اقبالؒ کے خواب کی تعبیر یہ ملک نہیں، اقبال نے ایسا کوئی تصور نہیں دیا تھا جہاں رشوت، چور بازاری، استحصال اور مغرب پرستی کا طوفان کھڑا کیا جائے۔ ہم نے ایک اصلاحی، فلاحی و مذہبی اقدار کی امین مملکت کے خواب کو ریزہ ریزہ کردیا ہے۔ اقبال کو ایسے نوجوان سے محبت نہ تھی جو چرس، افیون، شراب نوشی، آوارہ گردی، ڈش اور کیبل کے گرویدہ ہوں، اس کے آئیڈیل فلمی ہیرو ہوں، ریماو کرشمہ کے دیوانے ہوں۔ بلکہ وہ کہتے ہیں:

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

آج کے نوجوان اقبال کی طرح کے خواب کیوں نہیں دیکھتے؟ اس کی تعبیر کیوں نہیں بن جاتے؟...... یہی سوال ہے جو غور طلب ہے۔ ہمارے نوجوانوں کی منزل امریکہ وانگلینڈ کے ویزے تک محدود کیوں ہوگئی ہے؟!

اقبال ہمیں ذہنی طور پر آزاد کرانا چاہتے تھے۔ مگر ہم انگریزوں کے پھٹو بننے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ہم آج تک یورپ کے سحر میں گرفتار ہیں اوپر سے ہمیں امریکی ٹیکنالوجی سے ڈرایا جاتا ہے، تاکہ ہم اقبالؒ کے دیے ہوئے تصور خودی وحمیت کے قیمتی جواہر سے محروم ہو جائیں۔ اور اس سے زیادہ ظلم کی بات کیا ہوسکتی ہے کہ

" نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر" کو بھول کر **" سب سے پہلے پاکستان "** کا نعرہ لگایا جارہا ہے!!

اقبالؒ کے زمانے میں قدیم نظام تعلیم کا دائرہ کار محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ تعلیم کی دنیا میں جدید انگریزی تعلیم کی حکمرانی تھی، جس کی جڑیں مغربی فکر وتعقل اور فرنگی سامراجی عزائم میں پیوست تھیں۔ یہ نظام میکالے کی معروف تاریخی رپورٹ سنہ 1835ء کی روشنی میں رائج کیا گیا تھا۔ اس کے تین مقاصد تھے:

۱۔ نئی نسل کو دین اور مذہب سے بیگانہ کیا جائے۔

۲۔ ماضی سے ان کا رشتہ منقطع کیا جائے۔

۳۔ ایسے منشی وکلرک تیار کیے جائیں، جو انگریزی نظام حکومت چلانے میں اعانت کرسکیں۔

ظاہر ہے تینوں کی زد طالب علم کی ملی شخصیت پر پڑتی ہے۔ پس جدید نظام تعلیم کی غرض وغایت مسلمانوں کو ان کے مذہبی اور تہذیبی ورثے سے محروم کرنا تھا۔

سکاچ مشن سکول وکالج سیالکوٹ، گورنمنٹ کالج لاہور اور انگلستان کے زمانہ تعلم میں اقبال کو نئی تعلیم کے نہایت خطرناک اور دور رس اثرات ونتائج کا اندازہ ہوگیا تھا۔ اقبالؒ کے نزدیک جدید تعلیم کی بنیاد اس لادینی فکر اور عقل پرستی پر استوار تھی جس کا ارتقاء ڈارون، میکالے اور فرائڈ جیسے مغربی مفکرین کے خیالات پر تھا۔ اس تعلیم نے نوجوان نسل پر کیا اثرات مرتب کیے؟ علامہ لکھتے ہیں:

خوش تو ہم بھی ہیں نوجوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

دراصل الحاد اور عقیدے میں تزلزل اس وقت کی نئی تعلیم کا منطقی نتیجہ تھا۔ جدید تعلیم انسان کو معاش کا لالچ دے کر روح، ذہن اور خودی سب کچھ لے لیتی ہے۔ اس کا مقصد اونچی نوکری، اعلیٰ منصب، سماجی حیثیت، پرکشش تنخواہ...... اور ان تمام کے نتیجے میں ''بلند معیارِ زندگی'' ہے۔ اقبالؒ کے نزدیک ایسی تعلیم سم قاتل کی حیثیت رکھتی ہے۔

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہو جہاں میں دو کف جو

ان کے نزدیک جدید تعلیم کا خام تعقل اور مغرب سے ذہنی مرعوبیت اس نظام کی ایک بڑی خرابی تھی۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ مغرب کی نقالی بلکہ اندھا دھند تقلید میں کہیں بڑھا ہوا تھا۔ مغرب سے آئی ہوئی ہر بات ان کے نزدیک وحی و الاہیت کا درجہ رکھتی تھی۔ ایسے لوگ مغرب کا اسٹائل اختیار کرنے میں سب کچھ صرف کرتے تھے۔

فرنگی تعلیم پر اقبالؒ کی تنقید کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس سے خودی کا عرفان حاصل نہیں ہوتا۔

اقبال ! یہاں نام نہ لے علم خودی کا — موزوں نہیں مکتب کے لئے ایسے مقالات
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو — ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر

مغربی تعلیم انسان کو ناکارہ بناتی ہے اور احساس خودی کو فنا کر دیتی ہے۔ اقبالؒ نے تربیتی پہلو پر اس لیے زور دیا کہ اس کے ذریعے متعلم میں انسانی اخوت و ہمدردی، وسعت قلبی، رواداری، سوزِ حیات، بصیرت و دانش، بیدار مغزی اور جرأت مندی کا احساس پیدا ہو سکتا ہے، یہی کارزارِ حیات میں کامیابی کیلئے ضروری ہے۔ اخلاقی سربلندی کے معانی انفعالیت اور بزدلی نہیں۔

اقبالؒ اپنے متعلم کو مجاہد و غازی بنانا چاہتے ہیں۔ خطبہ علی گڑھ میں فرماتے ہیں: ''دنیا کی کسی قوم نے ایسی اعلیٰ قابل تقلید مثالیں اپنے افراد میں پیدا نہیں کیں جیسے ہماری قوم نے، ہمارے نوجوان اپنی قوم کی سوانح عمری سے بالکل نابلد ہیں۔''

دراصل فرنگی تعلیم کی یہی کوشش تھی کہ بقول اکبرؒ: (غالباً طنزیہ ہے)

''چھوڑ لٹریچر کو، اپنی ہسٹری کو بھول جا......''

مگر اقبال تو اسلامی تاریخ کو امت کے لئے روشنی کا سرچشمہ اور روحانی آب و تاب کا ذریعہ باور کرتے تھے۔ اقبالؒ مغرب کے تہذیب و تمدن کو فرسودہ اور غیر انسانی سمجھتے تھے۔ اس لئے آپؒ کے اشعار میں جابجا مغرب کی اندھی تقلید اور ان کے رسم و رواج کو اپنانے کی سخت مذمت ہے۔ مگر...... صد افسوس! آج ہم اسلام کے روشن اور اعلیٰ تہذیب کو ''دقیانوسی'' سمجھتے اور مغرب کے حیوانی معاشرے کے رسوم و رواج کو ماڈرن کلچر اور ''ترقی یافتہ تہذیب'' کہتے ہوئے شرماتے نہیں۔ جس میں ماں، بہن اور رشتہ دار کی تمیز ہے نہ والد و بزرگوار کی۔ ساتھ ہی ہماری نام نہاد روشن خیال حکومت بھی مغرب کی ''ہوا'' سے کافی متاثر ہے۔ اس لئے نصاب تعلیم